اسلام اور حقوقِ بشر

قائد ملت مولانا سید کلب جواد نقوی، جنرل سکریٹری مجلس علماء ہند

(۲۷)

معاشرہ کے نظام کو چلانے اور سماج میں امن وامان کی برقراری کے لئے سخت سزائیں ضروری ہیں۔ امام علیؑ نے دنیا کے تمام حکمرانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اگر تین چیزوں کو یاد رکھو اور ان پر عمل کرتے رہو تو تمام دیگر امور سے بے نیاز ہو جاؤ گے اور اگر ان پر عمل نہ کرو گے تو چاہے کچھ کرتے رہو کوئی فائدہ نہ ہوگا، (۱) مجرم کو سزا دو چاہے وہ اپنا ہو یا بیگانہ (۲) ہر موقع پر قرآن کے مطابق حکم کرو چاہے رضا کا موقع ہو یا غضب کا (۳) جو تقسیم کرو عادلانہ تقسیم کرو (وسائل الشیعہ، جلد ۱۸) جرم کے تناسب سزاؤں کی اہمیت کے باوجود اگر مجرم نے جرم کی تکرار نہیں کی ہے اور حاکم وقت سمجھتا ہے کہ صرف تنبیہ سے اصلاح ممکن ہے، خاص طور سے جہاں جرم کا تعلق حقوق اللہ یا کسی فرد خاص سے ہے وہاں اسلام نے سزا پر معاف کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اس سے پہلے عرض کر چکا کہ کچھ مجرم وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق کو ضائع کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جو انسانوں کے حقوق کو ضائع کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ گزشتہ مضامین میں بیان شدہ واقعات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حقوق اللہ سے متعلق واقعات میں حاکم کو سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار شریعت نے دے دیا ہے ایسے مواقع پر حاکم شرع نے سزا دینے کے بجائے تنبیہ کے بعد معاف کرنے پر اکتفا کی ہے۔ اس طرح سے اگر کسی فرد کے خلاف کسی سے جرم سرزد ہوا ہے تو وہاں بھی مجرم کو معاف کر دینے کی شدت سے تلقین کی گئی ہے۔

اسلام نے ہمیشہ معاف کرنے کو ترجیح دی ہے، جس کی بہترین مثال خود حضور سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے سخت ترین اذیت دینے والوں کو کھلے دل سے معاف کر دیا تھا جن میں ان کے انتہائی عزیز چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی بھی شامل تھا۔ حضرت علیؑ کا قول ہے: ''اپنے بھائی کے لئے سزا طلب نہ کرو چاہے اس نے تمہارے منھ پر خاک ہی کیوں نہ ڈال دی ہو''۔ (تحفۃ العقول، ص ۸۷) ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے ''معاف نہ کرنا بدترین عیب ہے اور انتقام لینے میں جلدی کرنا بدترین گناہ ہے۔'' (غرر الحکم ودرر الکلم، نمبر: ۶۷۶۶) کسی کمزور انسان کا کسی کو معاف کر دینا قابل قدر نہیں ہے، انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے اگر کوئی معاف کر دے تو اس سے بہتر اللہ کی نگاہ میں کوئی اور عمل نہیں۔ اور اس کا عملی نمونہ خود حکومت اسلامی کو پیش کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے **"العفو زکاۃ القدرۃ"**، ''معافی طاقت کی زکوٰۃ ہے''، **"العفو زین القدرۃ"**، ''طاقت کی زینت معاف کر دینا ہے''۔ کسی طاقتور کا بہترین عمل عفو و درگذر ہے۔ حضرت علیؑ کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ دے رہے ہیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کر مولیٰ سے پیچیدہ سے پیچیدہ سوال کر رہے ہیں۔ علم کا سمندر موجزن ہے۔ ایک خارجی بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ امامؑ کے علم کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھا: **"قاتلہ اللہ ما افقہ"**، ''اللہ اسے قتل کرے کتنا بڑا دانشمند ہے یہ''۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور چاہا کہ اسے ماریں۔ حضرت علیؑ نے لوگوں کو سختی سے منع فرمایا۔ فرمایا کہ اس نے مجھے گالی دی ہے۔ اور میں نے اسے معاف کر دیا۔ (جاذبہ و دافعہ علیؑ، شہید مطہری، ص ۱۴۴۰) جب ۱۹؍ رمضان المبارک کی صبح کو ابن ملجم نے مولیٰ کے سر پر اپنی تلوار

سے شدید وار کیا تو مولیٰ نے وارثوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''کل تک میں تمہارے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا آج تمہارے لئے سامان عبرت ہوں اور کل تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اگر میں زندہ رہا تو مجھے خود قصاص کا اختیار ہے۔ اگر دنیا سے رخصت ہو گیا تو اگر تم لوگ میرے قاتل کو معاف کر دو گے تو بارگاہ الٰہی میں میرا مقام بھی ہوگا اور تم سب کو اس عمل کی جزا بھی ملے گی۔''

(نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۳)

اجرائے عدالت کے سلسلہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت علیؑ نے جو نظریہ پیش فرمایا ہے وہ دنیا کی ساری عدالتوں کے لئے آج تک نمونہ عمل ہے۔ آپ نے قاضیوں سے ارشاد فرمایا: ''اگر جرم یقینی نہ ہو تو حتی الامکان سزا دینے سے پرہیز کرو اور ملزم کو آزاد کر دو کیونکہ معاف کرنے میں غلطی کرنا کہیں بہتر ہے اس بات سے کہ سزا دینے میں غلطی کی جائے۔'' (بحارالانوار، جلد ۴۰ صفحہ ۲۹۲) ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو آزاد کر دیا جائے تو آئندہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی گنجائش ہے، لیکن اگر کسی بے گناہ کو سزا دی جائے تو اس کا مداوا ممکن نہیں۔ یہاں موقع آ گیا ہے تو عرض کر دیا جائے کہ برابر خبریں آ رہی ہیں کہ دہشت گردی کے الزام میں جو مسلم نوجوان گرفتار ہوئے تھے وہ اب رفتہ رفتہ بے گناہ ثابت ہو کر آزاد ہو رہے ہیں، مگر پانچ سال، دس سال اور چودہ سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنے کے بعد۔ یہ چودہ سال جواُن بے گناہوں نے جیل میں گزارے ہیں اب دنیا کی کوئی بھی عدالت اس کا عوض طے نہیں کر سکتی۔ امامؑ کا ارشاد ہے: ''اگر قاضی مجرم کو معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے'' (بحارالانوار، جلد ۴۰ ص ۲۹۲) benefit of doubt ہمیشہ ملزم کو ملتا ہے۔ جس فیصلہ تک دنیا صدیوں میں پہنچی ہے وہ بات مولیٰ علیؑ پہلے ہی ارشاد فرما چکے ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت علیؑ کے غلام نے ایک مجرم کو تین کوڑے زیادہ مار دیئے، امام کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے اپنے غلام کے تین کوڑے لگائے۔ (محمد بن یعقوب کلینی، الفروع من الکافی، جلد ۷ ص ۲۶۰) ایک اور مقام پر جب سزا دینے پر مامور شخص نے دو تازیانہ مجرم کو زیادہ لگا دیئے تو امامؑ نے حکم دیا کہ اسے بھی دو تازیانہ لگائے جائیں۔ (کنزالعمال، جلد ۳ ص ۱۴۰) اسی لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ جن پولیس اہلکاروں نے جھوٹے مقدمات میں بے گناہ مسلمانوں کو پھانسا اور جن کی وجہ سے یہ بے گناہ برسوں جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ ان پولیس والوں کو بھی اتنی ہی سزا ملنا چاہئے اور یہ عدالت کے عین مطابق ہے۔

اسلام میں ان لوگوں کی سزا سخت ہے جنہوں نے عوام کے مال (Public Fund) میں خیانت کی ہے لیکن اگر اللہ کے حقوق کے مجرم ہیں یا Victim کوئی ایک فرد ہے تو وہاں عفو و درگذر کو ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جو عادی مجرم ہوں اور جن کی اصلاح کی طرف سے مایوسی ہو تو ان کو قرار واقعی سزا دے کر معاشرہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھنا یہ بھی عدالت کی ذمہ داری ہے۔

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۲۰/اپریل ۲۰۱۲ء)

(۲۸)

گذشتہ اقساط میں یہ بات ثابت کی گئی کہ اسلامی سزاؤں میں معاف کر دینے پر زیادہ زور ہے۔ ایک شخص نے حضرت علیؑ کے سامنے چوری کا اقرار کیا۔ حضرت علیؑ نے اس سے سوال کیا کہ کیا تم قرآن پڑھ سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ سورۂ بقرہ مجھے یاد ہے۔ فرمایا۔ تلاوت کرو۔ اس مجرم نے سورۂ بقرہ کی تلاوت کرنا شروع کی۔ امامؑ سکون سے اس کی تلاوت سنتے رہے۔ جب وہ سورہ بقرہ کی تلاوت مکمل کر چکا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم آزاد ہو، تمہیں سورہ بقرہ کی خاطر بخش دیا۔ (تہذیب الاحکام، شیخ طوسی، ج ۱ ص ۱۲۹) اگر کسی کو سزا مل بھی جاتی تھی تو اس کے ساتھ انتہائی نرمی کا سلوک ہوتا تھا۔ کچھ ایسے لوگ امامؑ کے

سامنے لائے گئے جن کے ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹ دئے گئے تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ نفرت کا رویہ اختیار نہیں فرمایا، بلکہ اپنے غلام قنبرؓ سے کہا ان کو میرا مہمان رکھو، ان کے زخموں کا علاج کرواؤ اور جب ان کے زخم ٹھیک ہوجائیں تو مجھے اطلاع دو۔ جب ان کے زخم ٹھیک ہوگئے تو غلام قنبرؓ نے مولیٰ کو اطلاع دی۔ آپ نے حکم دیا ان میں سے ہر ایک کو دو نئے لباس عطا کئے جائیں۔ جب انہیں نئے لباس پہنا دیئے گئے تو وہ سب امام کے سامنے لائے گئے۔ امامؑ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور کہو کہ علیؑ نے ہمارے ہاتھ قطع کئے ہیں۔ انہوں نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند کر کے یہی جملہ دوہرایا۔ امامؑ نے بھی آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے فرمایا: ''پالنے والے تیری کتاب اور تیرے پیغمبرؐ کی سنت کی پیروی میں علیؑ نے یہ کام انجام دیا ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا ان سب کو ان کے وطن تک پہنچنے کے لئے پورا سفر خرچ دیا جائے۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سزا دینا عدالت کے مطابق ہے، مگر سزا دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سزا یافتہ لوگ راندہ درگاہ ہوجائیں اور دوبارہ معاشرہ کا جزو نہ بن سکیں کہ جس کو دیہات کی اصطلاح میں ٹاٹ باہر ہونا کہا جاتا ہے۔ امامؑ کا مجرموں کے ساتھ یہ رویہ ثابت کرتا ہے کہ امام چاہتے ہیں کہ یہ سزا یافتہ لوگ دوبارہ معاشرہ میں مفید جز بن جائیں اور ایک اچھے مسلمان کی طرح زندگی بسر کریں۔ اسلام میں قید خانہ اور جیل جہاں مجرم کو سزا دینے کا وسیلہ ہیں وہیں ان کی تربیت گاہ اور اصلاح کا ذریعہ بھی ہیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ تاریخ میں سب سے پہلے حضرت علیؑ نے اصلاحی قید خانہ کا تصور پیش کیا اور اس کی بنیاد ڈالی۔ آپ کے زمانہ میں جیل میں قیدیوں کو عبادت کرنے کی پوری سہولت فراہم تھی۔ ان کے لئے تہذیبی اور تربیتی پروگراموں کا مکمل انتظام رہتا تھا۔ تعلیم قرآن مجید، لکھنا پڑھنا اور دیگر علوم کے حصول کے مواقع حکومت کی طرف سے فراہم کئے جاتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں دو مشہور قید خانے تھے جن کے نام 'نافع' اور 'مخیس' تھے۔ جہاں قیدیوں کو تعلیم حاصل کرنا لازمی تھا اور قریبی رشتہ داروں کی ضمانت پر قیدیوں کو نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت تھی۔

اسلام میں اسلامی قوانین کا توڑنے والا مجرم ہے، مگر ضروری نہیں کہ ہر جرم کے سلسلہ میں مجرم کو لازمی طور پر سزا دی جائے۔ مذہب اور دین سے قطع نظر اگر انسانی معاشرہ کو بھی دیکھا جائے تو وہاں بھی یہی طرز عمل جاری و ساری ہے۔ اگر کوئی مجرم کسی کی ناموس اور عزت پر حملہ آور ہوتا ہے تو اسے معاشرہ میں انتہائی نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور افراد معاشرہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے سخت سے سخت سزا ملے، لیکن اگر کسی نے کوئی چھوٹی چوری یا کوئی معمولی سا جرم کیا ہے تو معاشرہ سزا پر اصرار نہیں کرتا۔ اسی طرح سے حکومت اسلامی اور حاکم شرع کا ردعمل بھی ہر جرم کے مقابلہ میں یکساں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہوچکا کہ جو جرائم اللہ کے حقوق سے متعلق ہیں اور سزا دینے اور معاف کرنے کا اختیار حاکم اسلامی کو ہے، وہاں حاکم مجرم کی توبہ کو کافی سمجھتا ہے اور معاف کردینے کو ترجیح حاصل ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی فرد کا حق ضائع ہوا ہے تو وہاں بھی اس فرد کو معاف کردینے کی دعوت دی گئی ہے، لیکن اگر معاملہ اموال عمومی اور معاشرہ کے حقوق کا ہے۔ (پبلک فنڈ و پبلک پراپرٹی) تو وہاں اسلام کسی رو رعایت کا قائل نہیں ہے۔

نہج البلاغہ کے خطبوں اور خطوط سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے پہلے تو اپنی حکومت کے اراکین کو سختی سے ایمانداری برتنے کی تاکید کی اور اس تاکید کے بعد بھی اگر حکومت کے کسی عہدیدار نے بے ایمانی کی تو امامؑ نے اسے بخشا نہیں ہے۔ مالک اشتر کے نام اپنے مشہور مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا: ''اپنے کارکنان پر گہری نظر رکھنا۔ اگر ان میں سے کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے جاسوسوں کی اطلاع اس کے بارے میں یکساں ہو تو اس گواہی پر اکتفا کرنا۔ اس خائن کو جسمانی سزا دینا اور جو کچھ اس نے بے ایمانی سے جمع کیا ہے

(بقیہ۔۔۔صفحہ ۵۳ پر)

عزم شہادت کی راہ خلد کے منظر بڑھے
عظمت ایماں سجے صبر کے محضر بڑھے
حکمت عرفاں لئے حوصلہ پرور بڑھے
تیر کے پھل توڑنے خوں کے مقدر بڑھے
سرخ تمنا ہنسی، تیر کے ارماں حزیں
چارم شعبان ہے، دل ہے تپاں، جاں حزیں

دیکھنا ہے ظلم یہ کتنا رہے سخت جاں
دیکھنا ہے جبر بھی کتنا بنے پرفشاں
دیکھنا ہے یہ الم کرتا ہے کتنا گراں
دیکھنا ہے یہ ستم بڑھتا ہے کب تک کہاں
دیکھنا ہے آخرش باطل ہراساں حزیں
چارم شعبان ہے، دل ہے تپاں، جاں حزیں

چارم شعباں بڑھی منزل عاشور تک
عصر سے بڑھ کر کہیں وقت کے ناسور تک
جور کا ہنگامے تک کربِ بلا صور تک
شور انا تک کہیں، نعرۂ منصور تک
دار کا منشا عیاں، درد کا عنواں حزیں
چارم شعبان ہے، دل ہے تپاں، جاں حزیں

چارم شعبان یہ حق کی مشیت بنی
چارم شعبان یہ منزل عظمت بنی
چارم شعبان یوں صبر کی طاقت بنی
چارم شعبان یوں رہبر جنت بنی
اوج شہادت سجا، ظلم کے پیماں حزیں
چارم شعبان ہے، دل ہے تپاں، جاں حزیں

---

* یہاں چارم شعبان کو مدینہ سے حضرت سید الشہدا ؑ کے سفر کی علامت کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ تاریخ میں یہ تاریخ موجود تو ہے لیکن یہاں اسے اختیار کرنے کے لئے اور بھی محرکات ہیں۔ ویسے کسی دوسری تاریخ کے مقابلے میں یہ کوئی تاریخی تحقیق کا اعلان یا علمی اصرار بالکل نہیں۔ یہ محض شاعرانہ اظہار ہے جو تاریخ و تحقیق سے بے نیاز ہوا کرتا ہے۔ (م۔ر۔عابد)

بقیہ۔۔۔اسلام اور حقوق بشر

اسے واپس لے لینا۔ اسے ذلیل سمجھنا، اسے رسوا کرنا اور ننگ اور بے عزتی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔'' (نہج البلاغہ مکتوب ۵۳) بیت المال میں خیانت امامؑ کو کسی حال میں برداشت نہ تھی، جب آپ نے پچھلا سارا مال ومتاع خائنوں سے لے کر مستحقین تک پہنچا دیا تو فرمایا:

''اللہ کی قسم اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آتا جو عورتوں، مہر اور کنیزوں کی خریداری میں صرف کیا گیا تو میں اسے بھی واپس لے لیتا، کیونکہ عدل ہی سے معاشرہ کو وسعت حاصل ہوتی ہے۔ جسے عدل سے تنگی محسوس ہوتی ہے اسے ظلم سے اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔''

(نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵)

حضرت علیؑ کو خبر ہوئی کہ ان کی طرف سے مقرر شدہ ایک عہدیدار نے بیت المال میں خیانت کی ہے تو آپ نے اسے تحریر فرمایا:

''اللہ سے ڈرو اور لوگوں کا مال انہیں واپس کردو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور پھر اللہ نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں تمہارے بارے میں اللہ کے سامنے اپنے کو سرخرو کروں گا اور اپنی اس تلوار سے تمہیں ضرب لگاؤں گا۔ جس کا وار میں نے جس کسی پر کیا وہ سیدھا دوزخ میں گیا۔ خدا کی قسم اگر حسنؑ اور حسینؑ بھی یہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ وہ اپنی کوئی خواہش مجھ سے منوا سکتے، یہاں تک کہ حق کو ان سے پلٹا لیتا۔'' (نہج البلاغہ، خطبہ ۴۱)

(جاری)

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۱۸ مئی ۲۰۱۲ء)